ایمان اور استقامت [1]

از: عبدالحمید صدیقی

امید و رضا، سکونِ قلب، اور محبت، ایمان کے وہ پسندیدہ ثمرات ہیں جن سے ہر صاحبِ ایمان مستفید ہوتا ہے، اور یہ جو معرکۂ حیات کے مصائب و آلام سے پُر اور صبر آزما لمحات ہیں خاص طور پر مومن کے بہترین ہتھیار سمجھے گئے ہیں۔ اِن ہتھیاروں کی مستقل ضرورت کا احساس اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب دنیا کی حقیقت انسان پہ آشکار ہوتی ہے۔ یہاں دنیا میں حادثات ناگزیر ہیں۔ شدائد و محن سے ساکنانِ ارض دوچار ہوتے رہتے ہیں کتنے لوگ ہیں جو نامساعد حالات کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں اور طویل جد و جہد بھی کسی طرح مُثمِر نہیں ہوتی بعض کے عزیز انتقال کر جاتے ہیں بعض کو کوئی خطرناک بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اور بہتیرے بدنصیب وہ ہیں جن کی عمر بھر کی پونجی لُٹ جاتی ہے۔ الغرض اس دنیا میں بہت کچھ رونما ہوتا رہتا ہے جو طبعِ انسان پر ناقابلِ بیان حد تک ناگوار گزرتا ہے، اور اس کی امنگوں اور آرزوؤں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

جُبِلت علی کدر و انت تریدها صفواً من الآلام و الاکدارِ!!
و مکلفُ الایّام ضدّ طباعها متطلب فی الماءِ جذوۃ نارِ!!

(ترجمہ) دنیا ایک مقامِ تکدر ہے لیکن اسے انسان تو اسے غموں اور کدورتوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس کے مزاج کے برعکس ہے۔ اور انسان یہ خواہش کر کے گویا پانی کے ذخیرے سے آگ کا انگارہ طلب کرتا ہے۔

حیاتِ دنیا میں مصائب و آلام کا وجود اللہ کی سُنّت کے عین مطابق ہے۔ اور یہ سب انسانوں سے متعلق ہے۔ لیکن اللہ کے پیغمبر گردشِ روزگار کا خاص طور پر شکار ہوتے ہیں۔ جب وہ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے

---

[1] اس مضمون کا بیشتر مواد یوسف القرضاوی کی کتاب الایمان والحیاۃ سے لیا گیا ہے۔

ہیں اور خواہشاتِ نفس کی پیروی سے روکتے ہیں تو کفر کے علمبردار اور نفس کے بندے اُن کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ پھر جب یہ صاحبانِ رُشد و ہدایت معروف کا حکم دینے اور منکرات کا استیصال کرنے کے لیے جد و جہد کرتے ہیں تو آہستہ آہستہ تمام طاغوتی طاقتیں ان کے خون کی پیاسی بن جاتی ہیں اور اس طرح جانگسل آزمائشوں کا ایک دور شروع ہو جاتا ہے جس سے اہلِ حق کو گزرنا پڑتا ہے۔ قصۂ آدم و ابلیس، کشمکشِ ابراہیم و نمرود، معرکۂ موسیٰ و فرعون اور محاربۂ محمدؐ و ابوجہل معرکۂ حق و باطل کے مختلف مظاہر ہیں۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (الانعام: ۱۱۲) "اور ہم نے ہمیشہ اسی طرح شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں"۔

انبیاء آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے گئے اور ان کے جانشینوں کے ساتھ بھی سلوک ہوا۔ اور ہر وہ شخص جو اُن کی نیابت ہوتی راہِ حق پر گامزن رہا، دینِ حق کے باغیوں نے انہیں تکلیفیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "مصیبتوں کے پہاڑ کن انسانوں پہ ٹوٹتے ہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا انبیاءؑ رُسل پر، پھر وہ جو پیروئ حق و صداقت میں اُن سے زیادہ قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے مشابہ ہوں۔ یاد رکھو آدمی پر یہ ابتلا اُس کے دین کے مطابق آتے ہیں۔ اگر وہ پیروئ دین میں زیادہ سخت ہو تو اس کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں۔ اور اگر اس کا دین کمزور ہو تو اس پر نازل ہونے والی مصیبتیں بھی معمولی ہوں گی۔

اہلِ ایمان کی استقامت کی مثالیں | سامریہ کی اسرائیلی ریاست کا جب اشوریوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا اور یروشلم کی یہودی ریاست کے سر پر تباہی کا طوفان کھڑا تھا تو یرمیاہ نبی نے اپنی قوم کو متنبہ کرنا شروع کر دیا کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہو گا۔ مگر قوم کی طرف سے ان کو جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ ہر طرف سے اُن پر لعنت اور پھٹکار کی بارش ہوئی، پیٹے گئے، قید کیے گئے اور آخر میں رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکا دیے گئے تاکہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ سوکھ کر مر جائیں۔ بایں ہمہ اللہ کے پیغمبر نے پیغامِ حق سنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مخالفین کی ناقابلِ برداشت اذیتوں کے مقابلے میں کمالِ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا مگر اس بدبخت قوم نے ان کی ایک نہ سنی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے عہد کا یہودی فرمانروا ہیرود انٹی پاس رومی تہذیب کے اثرات سے پوری طرح متاثر تھا۔ اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا۔ خود اُس نے اپنے بھائی کی بیوی

ہیرودیاس کو گھر میں ڈال رکھا تھا حضرت یحییٰ نے اس پر ہیرودیاس کو ملامت کی اور اُس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس جرم میں ہیرودس نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ مگر اس کی بیوی نے اس سزا کو کافی نہ سمجھا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یحییٰ علیہ السلام جو اخلاقی روح قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی نگاہ میں اس جیسی عورتوں کی تذلیل کا باعث بن رہی ہے۔ چنانچہ وہ ان کی جان کے درپے ہو گئی۔ آخر کار ہیرود کی سالگرہ کے جشن میں اس نے وہ موقع پا لیا جس کی وہ تاک میں تھی۔ جشن کی تقریب میں اس کی بیٹی نے رقص پیش کیا جس پر خوش ہو کر ہیرودس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے؟ بیٹی نے فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں۔ ماں نے کہا یحییٰ کا سر مانگ لے۔ چنانچہ اس نے ہیرودس سے کہا مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی منگوا دیجیے۔ اس نے فوراً حضرت یحییٰ کا سر قلم کرنے کا حکم دیا اور رقاصہ کی نذر کر دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو ہیرودس نے اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ کیا اور اسارت و قتل کے مقابلے میں وہ ثبات و استقامت تھی جو ہمیں سیدنا یحییٰ کی ذات میں مجسم ملتی ہے۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی یوں تو استقامت کی جیتی جاگتی مثال ہے، تاہم ابتلاء و آزمائش کا وہ دور جس سے آپ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد گزرے اور جو مکی زندگی کے آخری سالوں میں شدت اور سنگینی کے اعتبار سے دورِ عروج تھا۔ اُس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہماری مراد شعبِ ابی طالب میں آلِ ہاشم کے محصور ہونے سے ہے۔ آدمی بسا اوقات تنہا ایک مصیبت کو برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن جب وہ مصیبت ایک شخص کی وجہ سے پورے خاندان اور برادری پر ٹوٹ رہی ہو اور اس ابتلاء کا سلسلہ دو چار دس دن تک نہیں بلکہ سالوں تک پھیلتا ہوا نظر آئے تو برادری کے مختلف المزاج اصحاب کا ردِ عمل دیکھ کر بڑے بڑے دل گردے کے انسان بھی ہل جاتے ہیں اور ان کے پائے ثبات میں لغزش آ جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اس معنی میں بے مثال ہے کہ آپ، آلِ ہاشم سمیت پورے تین برس اس گھاٹی میں رہے۔ اس دوران میں صحابہ کا بیان ہے کہ ہم ببول کی پتیاں کھا کر وقت گزارا کرتے۔ کبھی کوئی سوکھا چمڑا ہاتھ لگتا تو اسے پانی میں بھگو کر اور آگ پہ بھوننے کے بعد کھا لیتے۔ چھوٹے بچے بھوک سے نڈھال ہو کر روتے تو دور دور تک ان کے رونے کی آواز سنائی دیتی اور بے درد قریش اس آہ و بکا کو سن کر خوش ہوتے۔ اپنے رفقاء و احباب کو یوں تکلیف میں مبتلا دیکھ کر رسولِ مقبول کے دل پہ جو کچھ گذرتی ہو گی اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ مگر آپ ان تمام صعوبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔

مصیبت اور محصوری کا یہ دور ختم ہُوا ہی تھا کہ ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چند ہی دنوں میں یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ ان دونوں محترم ہستیوں کا اُٹھنا تھا کہ کفارِ قریش اذیت رسانی میں کچھ زیادہ ہی دلیر ہو گئے۔ اور فقر و فاقہ کا عالم جو پہلے ہی ناگفتنی تھا اس میں اور بھی شدت آ گئی۔ انہیں المناک حالات کا ذکر کرتے ہوتے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے اللہ کی اطاعت کرنے کی بنا پر اس قدر خوفزدہ کیا گیا کہ اتنا خوف کسی دوسرے کو نہیں دلایا گیا۔ اور اللہ کے احکام بجا لانے کی وجہ سے اس قدر اذیت پہنچائی گئی کہ اتنی اذیت میں کسی دوسرے کو کبھی مبتلا نہیں کیا گیا۔ اور مجھ پر ایسے سخت حالات آئے کہ متواتر تیس دن تک میرے اور بلال رضؓ کے لیے کھانے کو کوئی چیز نہ ہوتی ـــ کوئی چیز جسے جاندار کھا سکے ـــ سوائے اس قلیل مقدار کے جو بلال زیر بغل رکھتے۔ (ترمذی بروایت انس)۔

ظلم و ستم کا نشانہ تنہا رسولِ پاک ہی نہ تھے بلکہ اس دور میں کم و بیش ہر مسلمان پر مشقِ ستم ہوتی اور نہایت کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو عرب کی تپتی ریت پر یہ ظالم آپ کو لٹا دیتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ پھر اُن سے کہتا کہ اسلام سے منہ موڑ لو ورنہ یونہی گھٹ گھٹ کے مرجانا ہو گا۔ لیکن حضرت بلال رضؓ کی زبان حق ترجمان سے صرف ایک ہی بات نکلتی اَحَد اَحَد ھُوَ اللہ اَحَد۔ جب امیہ دیکھتا کہ ان کے پائے ثبات متزلزل نہیں ہو رہے تو گلے میں رسی ڈال کر اوباش جوانوں کے حوالے کر دیتا جو انہیں شہر کے اس سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتے پھرتے۔ حضرت خبّاب بن ارت قبیلہ بنی تمیم کے فرد تھے جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے۔ انہوں نے اُس وقت اسلام قبول کیا جب بمشکل چھ سات سعادت مند حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھاتے اور ان پر انہیں چت لٹا دیا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے دب کر ٹھنڈے ہو گئے۔ حضرت عمارؓ ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی جور و جفا کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ حضرت عمارؓ کو قریش اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے حضرت یاسر کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ اور حضرت سمیہؓ وہ باشرف خاتون ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خدا کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ابو جہل نے اسلام لانے کے جُرم میں انہیں برچھی مار کر شہید کر دیا تھا۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند ایک کی استقامت کا یہ تذکرہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے

کہ پوری اسلامی تاریخ اہلِ ایمان کی استقامت سے مزیّن ہے صحابۂ کرام کے بعد تابعینِ عظّام، ائمہ اربعہ، محدثین اور دیگر بے شمار صلحائے اُمت کی زندگیاں اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ صرف ایمان ہی ہے جو بندگانِ خدا کو انتہائی نامساعد حالات میں استقامت بخشتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں بلند حوصلگی اور جرأت سے ڈٹ جانے کی تعلیم دیتا ہے اور سنگ و آہن سے مضبوط عزم و ہمت عطا کرتا ہے۔

منکرینِ خدا مصیبتوں سے زیادہ گھبراتے ہیں اس کے برعکس تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ گھبرا جانے والے اور شدائدِ حیات کے سامنے جلد گھٹنے ٹیک دینے والے لوگ بالعموم وہ ہوتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے یا ریب و تشکیک کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو تقدیر کے قائل ہوتے ہیں کہ اُس پہ راضی ہو جائیں، نہ خدا کو مانتے ہیں کہ اُس کی حکمتوں پہ مطمئن ہو سکیں۔ نہ انبیاء و صلحاء کی مصیبتوں بھری زندگی میں ان کے لیے کوئی نمونہ ہوتا ہے کہ جس سے انہیں صبر و ثبات کی رہنمائی مل سکے۔ اور نہ حیات بعد الموت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہاں کی جزاء و سزا انہیں کچھ تسلی دے سکے۔ ان کی مثال اُس کشتی کی سی ہے جس کے پتوار اور بادبان گم ہو چکے ہوں اور سمندر کے تند و تیز اور سرکش تھپیڑے چار جانب سے اُسے غرق کرنے کے درپے ہوں۔ کیا اس کشتی کو غرق ہونے سے کوئی چیز بچا سکتی ہے۔ اور کیا اُسے ہر وقت غرق ہو جانے کا خوف لاحق نہ رہے گا؟ بالکل اسی بے اطمینانی اور گھبراہٹ سے منکرینِ خدا ہر لمحہ دوچار رہتے ہیں۔

اہلِ ایمان کی استقامت اور اس کا ماخذ مومنین سب سے زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر نوع کی مصیبتوں پر ثبات و استقامت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ حیاتِ دنیا کو حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ اتنا حقیر کہ اُس کے درد و الم کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء: ۷۷) دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن حیاتِ دنیا کے بارے میں سنّت اللہ کا واضح شعور رکھتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ دنیا میں انسان کو عقل و فکر اور ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس کی آزمائش کی جاتے چنانچہ اسے مصائب کے نزول پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ البتہ اسے تعجب اُس وقت ضرور ہوتا ہے جب دار المحن میں دارالجزاء کی سی سہولتیں میسر آ جاتی ہیں۔ تیسری چیز جو اہلِ ایمان کو ثبات و استحکام عطا کرنے والی ہے وہ اپنے پیشرؤوں کے حالات ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ صداقت کے علمبردار ہر دور میں ستائے جاتے رہے ہیں۔ کونسا مکر و فریب اور کونسی چال ہے جو اہلِ کفر نے اُن کے خلاف نہیں چلی۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کو جلتی آگ کے شعلوں میں پھینک دیا گیا۔ سیّدنا زکریا علیہ السّلام کو آرے سے چیر ڈالا گیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے بازار میں اس قدر لہولہان کیا گیا کہ آپ بار بار غش کھا کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ یہ خوفناک مظالم اور ان میں حضرات انبیاء کی مثالِ استقامت، اہلِ ایمان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی۔

تقدیر پر ایمان، مومن کے لیے ابتلاء کو آسان بنا دیتا ہے | نازل ہونے والی ہر مصیبت کے بارے میں مومن یہ سمجھتا ہے کہ یہ کسی اندھی بہری حاقت کی طرف سے بے سوچے سمجھے پڑنے والی افتاد نہیں بلکہ وہ قضائے مبرم اور نوشتۂ تقدیر ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور اس قضا کے پیچھے اس حکیم و دانا کا علم و ارادہ کارفرما ہے جو بندے کی قوت و طاقت اور ابتلاء کی سختی و شدت کا خوب اندازہ رکھتا ہے۔ جس کا ہر فیصلہ کمال درجہ کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جس کی رحمت و شفقت اس کے قہر و غضب پر بہرحال غالب رہتی ہے۔ دورانِ مصیبت مومن کے ذہن میں یہ بات بھی برابر رہتی ہے کہ زندگی کی تلخیاں اور حادثات اس کے لیے قیمتی اسباق ہیں اور دین و دنیا کے نفع بخش تجربات بھی۔ جو اس کے مزاج کو پختگی اور اس کے ایمان کو جلا بخشتے ہیں اور اس کے دل کا زنگ دور کر کے رکھ دیتے ہیں۔ رافعی نے کتنے بلیغ انداز میں بیان کیا: "انڈے کی سفیدی اور زردی کے لیے اس کا خول ایک قید خانہ ہی تو ہے۔ لیکن اسی قید خانے میں سفیدی اور زردی کو مختلف سخت مراحل سے گذرنے کے بعد ایک حسین و جمیل چوزے کی شکل اختیار کرنا ہوتی ہے۔ اب اگر انڈے کا سیال مواد ایک مدتِ معینہ کے لیے صبر نہ کرے تو دسترخوانِ شاہی کا وہ جزوِ لذیذ جسے مرغ کہتے ہیں کس طرح وجود میں آسکتا ہے؟" ٹھیک اسی طرح مومن اللہ کی تقدیر پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے دنیا کی آزمائش کی سرحدی سے گذر جاتا ہے اور آفات و حوادثِ روزگار کو زیادہ محسوس نہیں کرتا کیونکہ ساکنِ فردوس کی حیثیت سے نہایت حسین انجام اس کا مقدر ہوتا ہے۔

مصائبِ دنیا اہلِ ایمان کی نظر میں | حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بیک وقت دو مصیبتیں آئیں۔ ایک کا تعلق دین سے تھا، دوسری کا دنیا سے۔ یعنی یا تو عزیزِ مصر کی بیوی کی ناجائز خواہش پوری کریں یا برسوں جیل میں رہیں اور مشقت و صعوبت کا سامنا کریں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اللہ سے عرض کی: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ (یوسف: ۳۳) "میرے پروردگار! مجھے جیل خانے کی زندگی اس کام سے عزیز تر ہے جس کی طرف یہ لوگ مجھے بلاتے ہیں۔"

سلف میں سے ایک بزرگ نے فرمایا: مجھ پر جب بھی کوئی دنیاوی مصیبت آتی ہے مجھے احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تین احسانات کیے ہیں جن کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ پہلا احسان یہ کہ اس مصیبت کا

تعلق میری دنیا سے ہے میرے دین سے نہیں کیونکہ دنیا کے نقصان کی کوئی بات نہیں مگر دین کا نقصان تو ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ دوسرا احسان یہ کہ جو مصیبت آئی ہے اُس سے بڑی مصیبت میں بھی اللہ تعالیٰ مبتلا کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس سے بچا لیا۔ تیسرا احسان یہ کہ مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ میرے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں جو مجھے بہر حال ملتا ہے۔ بنا بریں کسی مصیبت پر رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اسی طرح ایک اور مردِ حق آگاہ سے منقول ہے کہ انہیں پاؤں میں کوئی تکلیف تھی۔ جب بھی شدید درد ہوتا تو وہ مسکرا دیتے اور اِنَّا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے۔ اُن سے کہا گیا کہ آپ کو اتنا سخت درد ہوتا ہے مگر آپ کراہتے تک نہیں۔ فرمانے لگے" درد کے ثواب کی مٹھاس اس کی تکلیف کی تلخی کو بھلا دیتی ہے"۔

حضرت عُروہ بن زبیرؓ فقہاءِ تابعین میں نہایت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک پاؤں کو ایسی بیماری لگ گئی کہ جس کی وجہ سے اطباء نے اُسے بلا تاخیر کاٹنے کا حکم دے دیا تاکہ بیماری کے اثرات پنڈلی اور ران تک منتقل نہ ہو جائیں۔ حضرت عروہؒ نے پاؤں کو بخوشی آرے کے نیچے رکھ دیا۔ اس موقع پر اُن کی خدمت میں پینے کے لیے ایک دوائی پیش کی گئی تاکہ اُن کے حواس معطل ہو جائیں۔ اور وہ قطع عضو کی تکلیف کو محسوس نہ کریں۔ جب آپ کو دوائی کی خاصیت کا پتہ چلا تو آپؒ نے فرمایا" میں نہیں سمجھتا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص ایسی دوائی پی سکتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا شعور معطل ہو جائے اور وہ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکے حتیٰ کہ اللہ کا بھی۔ آئیے اور پاؤں کاٹ دیجیے۔ چنانچہ گھٹنے سے آپ کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور آپ خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے۔ معمولی تکلیف کا بھی آپ نے اظہار نہ کیا۔ کرنا خدا کا اُسی رات آپ کا بیٹا ـــ جسے آپ باقی تمام بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ـــ چھت پر سے گرا اور جاں بحق ہو گیا۔ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لیے آتے تو آپ نے فرمایا" یا اللہ تیرا شکر ہے۔ میرے سات بیٹے ہیں تو نے صرف ایک لیا ہے۔ اور باقی چھ میرے پاس رہنے دیئے۔ خود مجھے اے اللہ تو نے دو ہاتھ اور دو پاؤں دیئے تھے اور اِن چار میں سے تین ابھی میرے پاس ہیں، صرف ایک ہی کاٹا گیا ہے۔ اگر تو نے میری یہ پیاری چیزیں لے لی ہیں تو دی بھی تو تو نے ہی تھیں۔ آزمائش تیری طرف سے آئی ہے تو عافیت سے بھی تو نے ہی نواز رکھا تھا۔

مذکورہ واقعات سے ویسے تو بہت سے حقائق واضح ہوتے ہیں تاہم چند ایک کی طرف اشارہ کر دینا

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اولاً مومن متاعِ دنیا کے نقصان کو چنداں اہمیت ہی نہیں دیتا۔ ثانیاً وہ متوقع بڑی مصیبت کے پیشِ نظر موجودہ مصیبت پر بآسانی صبر کر لیتا ہے۔ ثالثاً وہ اُس اجرِ جزیل پر نگاہ رکھتا ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو اللہ کی طرف سے عطا ہوگا جیسا کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہے۔ مسلمان کو جو بھی غم یا فکر لاحق ہوتا ہے یا تھکاوٹ اور بیماری لگ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اسے جو کانٹا تک بھی چبھتا ہے اللہ تعالیٰ ان سب پریشانیوں اور مصیبتوں کو اُس کے گناہوں کا کفّارہ بنا دیتا ہے۔

مُلحدین کا اعترافِ حقیقت ایمان، انسان کو ثبات و استقامت کی جو طاقت عطا فرماتا ہے اُس کا اعتراف وہ لوگ بھی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو اپنے مادی نظاموں اور فلسفوں کے گُن گاتے نہیں تھکتے۔ متعصب اشتراکیوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ اُن کا نظام دوسری عالمگیر جنگ میں لوگوں کو ڈٹ جانے اور ثابت قدمی دکھانے کا وہ مظاہرہ نہ کرسکا جو دین وایمان نے کیا۔ چنانچہ اُنہیں حالات نے مجبور کر دیا کہ لوگوں کو وقتی طور پر دینِ فطرت کی طرف پلٹ جانے کی اجازت دے دیں تاکہ اُن کے باطن کا وہ خلا پُر ہوسکے جسے کوئی مادی و جدلی فلسفہ پُر نہ کرسکا تھا۔

تصحیح اغلاط

	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
جلد اوّل :	۲۴۳	۱۰	جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو	بے جان میں سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار میں سے بے جان کو
جلد پنجم :	۳۲	۱	یَکُوْنُوْا	یَکُوْنُوْ
	۱۹۵	۱	شَدِیْدُ النَقوٰی	شَدِیْدُ الْقُوٰی
جلد ششم :	۵۵۶	۱۰	یُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّھَا	یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا
	۳۶۴	آخری سطر	تمہاری نافرمانی	تمہاری فرمانبرداری